© rasailojaraid.com

﴿اداریہ﴾

جدید دنیاوی علوم
(اسلامی تعلیمات کی روشنی میں)

رئیس التحریر مولانا سید نسیم علی شاہ الہاشمی

روئے زمین پر موجود تمام ادیان کی تعلیمات کا باریک بینی کے ساتھ مطالعہ کرنے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے۔ کہ یہ صرف مذہب اسلام ہی کا امتیاز ہے کہ وہ دین و دنیا دونوں کو جامع ہے اور انسان کو ان دونوں جہانوں کے منافع سے فائدہ اُٹھانے کی دعوت دیتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس روئے زمین کے دیگر ادیان میں دین و دنیا کے امتزاج کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت میں دیکھا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ دیگر ادیان صرف حصولِ دنیا پر زور دیتے ہیں اور روحانیت (علوم دینی) بالکل فراموش کردیتے ہیں۔ چنانچہ یہودیت میں آخرت کی کامیابی کے لیے روحانیت کا کوئی تصور موجود نہیں ہے اس کے برخلاف بعض مذاہب دنیا کی خوب مذمت کرتے ہوئے صرف روحانیت کے حصول پر زور دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک عیسائی عقیدے کے مطابق چونکہ انسان کی ابتداء جرم و گناہ سے ہوئی ہے اس لیے وہ دائمی طور پر ملعون و مردود قرار پاتا ہے۔ بدھ مت ایک منفی تصورِ حیات پیش کرتا ہے۔ اس طرح یہ مذاہب بنیادی طور پر رہبانیت یا ترکِ دنیا کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور تمدن کا ساتھ دینا تو درکنار انسانیت کی تذلیل کے تصورات پیش کرتے ہیں۔

لہٰذا اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو انسان کے صحیح مقام و مرتبے کو بلند کرتے ہوئے اس کو اشرف المخلوقات قرار دیتا ہے۔ اور دین و مذہب کے ساتھ ساتھ دنیا کی بھلائی اور اس کے حصول کو بھی ضروری قرار دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”ولقد کرمنا بنی آدم وحملنا هم فی البر و البحر ورزقنهم من الطیبٰت وفضلنهم علی کثیر من خلقنا تفضیلاً۔

ترجمہ:۔ اور تحقیق ہم نے بنی آدم کو تکریم بخشی اور ان کو خشکی و سمندر میں سواریاں عطا کیں اور عمدہ و پاک چیزوں سے ان کو نوازا اور بہت سی مخلوقات پر ان کو فضیلت عطا کی۔

از روئے شریعت انسان کو اس دنیا میں قیدی و اسیر بنا کر پیدا نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کو ارادہ و اختیار کی آزادی دیتے ہوئے اپنی موروثی چیز ”خلافۃ الارض“ کے حصول کی نہ صرف اجازت بلکہ ترغیب دی گئی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الغرض مذکورہ بالا سطور سے یہ بات بخوبی واضح ہوئی کہ اصل اور بنیادی طور پر دینِ اسلام ہی اس بات کی دعوت دیتا ہے اس طرح اس کے جسمانی و مادی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے دنیاوی تعلیم کا حصول بھی ضروری ہے۔

قرآن کریم میں 'وعلم آدم الاسماء کلھا" سے اس نظریے کو اجاگر کیا گیا ہے۔ کہ انسانِ اوّل کو دنیاوی تعلیم کا پہلا درس دیا گیا جس میں اپنی زندگی کی مادی و جسمانی ضروریات سے متعلق تمام ضروری اشیاء کے نام سکھا دیئے گئے۔

اگر چہ یہ اور بات ہے کہ بد قسمتی سے آج معاملہ بالکل الٹا ہے کہ اسلام کے پیروکار نہ صرف یہ کہ دنیاوی زندگی میں اغیار سے آگے نہیں بلکہ اکثر مادی ضروریات کے حصول میں وہ اغیار سے کئی گنا پیچھے رہ چکے ہیں۔

ان سطور میں اسی کمی کا احساس دلانے کی ایک خیر خواہانہ کوشش کی گئی ہے اگر چہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا کے حصول کے لیے ہم خدائی پابندیوں کے حدود کو عبور کر کے اس کمی کو دور کرے کیونکہ شریعت اسلام میں اس کی اجازت قطعاً نہیں تاہم خدائی پابندیوں کے دائرے میں رہ کر اس اجتماعی کمی کو دور کرنا نہایت ضروری ہے۔

دنیاوی تعلیم کا سب سے بنیادی نظام چونکہ پرائمری تعلیم ہے اس لئے اس بات پر سنجیدگی سے غور و فکر کی ضرورت ہے کہ پرائمری تعلیم میں تعلیم اور تربیت دونوں پہلوؤں سے اس بات کا اہتمام ہو کہ بچہ بڑا ہو کر دنیاوی اعتبار سے ایک کامیاب انسان ہو اور وہ معاشرے کو ایک پر امن جگہ بنانے اور اس کی ترقی میں ایک بھر پور کردار ادا کر سکے۔ اس اعتبار سے ہمیں سب سے زیادہ اس بات پر توجہ دینا ہوگی کہ ہم بچوں کو جو پرائمری تعلیم دے رہے ہیں۔ وہ کس حد تک انہیں مادی اعتبار سے معاشرے کا ایک ذمہ دار اور کامیاب آدمی بنا سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا انسان کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اس زندگی کی حفاظت کرے اسے ضائع نہ ہونے دیے۔ اس زندگی کو نقصان پہنچانا ایک ایسا جرم ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناقابل معافی ہے۔ اسلام میں خودکشی کو حرام قرار دیا گیا ہے اور خودکشی کے مرتکب آدمی کے لئے دائمی جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ خودکشی آخر اتنا بڑا جرم کیوں ہے؟ غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ انسان زندگی جیسی نعمت کی قدر نہ کرے۔

زندگی کی حفاظت کا طریقہ یہ ہے کہ ان تمام خطرات کا تدارک کیا جائے جو انسانی زندگی کو درپیش ہو سکتے ہیں۔ یہ خطرات کئی طرح کے ہیں، مثال کے طور پر بعض خطرات وہ ہیں جو امراض کی صورت میں زندگی کو لاحق ہوتے ہیں۔ ان کا علاج علم طب کی مرہون منت ہے۔ امراض کا علاج ادویات سے ہوتا ہے۔ اب قدرت نے مختلف نباتات میں ایسے خواص رکھ دیے ہیں جن سے مختلف امراض کا علاج ممکن ہے انسانوں نے اس پہلو سے نباتات کا مطالعہ کیا اور پھر مختلف امراض کے علاج دریافت کیے۔ یہ سلسلہ آگے بڑھا اور اس سے آج کا وہ ترقی یافتہ علم طب وجود میں آیا، جس کی ترقی کا یہ عالم ہے کہ آج رحم مادر میں بچے کی جنس کا پتہ لگایا جاتا ہے۔ دل و دماغ اور تمام اعضاء کے کامیاب آپریشن ۔ ۔تے ہیں۔ علم طب اب خالصتاً ایسا علم ہے جسے ہم دنیاوی علم قرار دیتے ہیں۔ اب زندگی جیسی نعمت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حفاظت کے لیے علم طب ناگزیر ہے۔ گویا علم طب کا فروغ اللہ تعالیٰ کے ایک حکم کی تکمیل ہے جس کا تعلق زندگی کی حفاظت سے ہے۔

تسخیر کائنات کا اسلامی تصور:

اسلام نے انسانیت پر جو احسانات کئے ان میں ایک بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے تسخیر کائنات کے بند دروازے کو کھولا۔ غور کیجئے تو کائنات کی تسخیر میں جو عقیدہ سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ وہ شرک کا عقیدہ تھا۔ ہر کائناتی مظہر کے ساتھ کوئی نہ کوئی تقدس وابستہ تھا۔ مثال کے طور پر جب سورج کے گرد زمین کی گردش کا سائنسی نظریہ سامنے آیا تو مغرب کے مذہبی طبقات نے اس کی شدید مخالفت کی۔ اسلام نے توحید کا عقیدہ پیش کر کے پہلی دفعہ اس حقیقت کو بے نقاب کیا کہ یہ سب مظاہر قدرت اپنے اندر کوئی تقدس نہیں رکھتے اور ان کے ساتھ کسی قسم کا مذہبی احترام وابستہ نہیں ہے۔ یہ سب تو انسان کی خدمت کے لئے ہیں۔ اور انسانوں کو ان کی تسخیر کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے کائنات پر غور و فکر کی روایت پیدا ہوئی اور اس سے سائنس نے ترقی کی۔

کائنات کے مختلف مظاہر پر غور کیجئے تو یہ جہاں ایک طرف کائنات کے حسن میں اضافہ کر رہے ہیں وہاں ان کی اہمیت یہ بھی ہے کہ وہ انسان کے لیے مفید ہیں۔ قرآن کریم نے انسانوں کو اس جانب متوجہ کیا۔ مثال کے طور پر ستاروں کے بارے میں کہا گیا ہے۔

ھو الذی جعل لکم النجوم لتھتدوا بھا فی ظلمت البر والبحر قد فصّلنا الایٰت لقوم یعلمون .

(سورۃ انعام ۶:۹۷).

ترجمہ: اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے تاکہ جنگلوں اور دریاؤں کے اندھیروں میں ان سے راستے معلوم کرو۔ عقل والوں کے لیے ہم نے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں۔

وعلمت وبالنجم ھم یھتدون. (سورۃ انعام ۶:۹۷، سورۃ النحل ۱۶:۱۶) .

ترجمہ: اور (راستوں میں) نشانات بنا دیے اور ستاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں۔

جب دنیا میں اسلام کو غلبہ حاصل تھا تو مسلمان حکمرانوں نے ہر طرح کے علوم کو سیکھا، ان کی ترویج اور اشاعت کی اور علم حاصل کرنے میں مذہبی کی تقسیم روا نہیں رکھی۔ مسلمان حکمرانوں نے اس معاملے میں خصوصی دلچسپی کا اظہار کیا۔ مثال کے طور پر مامون الرشید کو ایک مرتبہ ارسطو کے علمی خزانے کے بارے میں معلوم ہوا تو اُس نے قیصر روم کو خط لکھا کہ ارسطو کی تمام تصانیف بغداد بھجوائی جائیں۔ چنانچہ پانچ اونٹوں پر لاد کر یہ کتابیں مامون رشید کی خدمت میں بھجوا دی گئیں۔ (شبلی نعمانی، مقالات شبلی، جلد سوم صفحہ ۱۲، ۱۷) ۔

ابوریحان البیرونی ہندوؤں کے علوم کے شوق میں ہندوستان آیا، برسوں فلسفہ پڑھا۔ سنسکرت میں ایسی مہارت حاصل کی۔ کہ ہندوں کو فلسفہ یونان ان کی زبان میں پڑھایا۔ یہ ذوق صرف عرب حکمرانوں میں نہ تھا۔ سلطان فیروز شاہ والئی ہندوسان جب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷۷۳ھ میں جوالاکھی گیا تو لوگوں نے اطلاع دی کہ اس بت خانے میں قدیم زمانے کی تیرہ سو کتابیں ہیں۔ سلطان فیروز شاہ نے ان کتابوں کا ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ کتابیں علم موسیقی اور علم نجوم وغیرہ سے متعلق تھیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں نے یہ علوم یونان اور روم سے سیکھے لیکن پھرانہیں بے پناہ وسعت دی اور بقول مولانا شبلی، ذرے کو آفتاب بنادیا۔ مولانا شبلی مزید لکھتے ہیں:

مسلمان !اہل علم نے طبعیات کے متعلق ارسطو کی بہت سی غلطیاں دریافت کیں، منطق کو بالکل نئے طرز سے ترتیب دیا اور اس میں چند اصولی اضافے کیے۔ نئے نئے الات رسد ایجاد کیے۔ روشنی کی رفتار دریافت کی۔ علم مناظرہ میں انعکاس کا قاعدہ معلوم کیا۔ دواسازی کے نسخوں کی ترتیب، عرق کھینچنے کے آلے، موالیہ ثالثہ کی تحلیل، تیزابوں کے فرق، باہمی مشابہت کا امتحان انہی کی ایجادات ہیں۔

کیمسٹری کی انہوں نے بنیاد ڈالی، علم نباتات میں اپنے تجربوں سے نئی قسم کی دو ہزار پودوں کا اضافہ کیا۔ عرض آج یونانی وعربی تصنیفات کا اگر کوئی شخص موازنہ کریں تو قطرے و دریا فرق پائے گا۔ (The Statesman,s year book, 138th edition.

مذکورہ بالا جن علوم میں مسلمانوں نے کارہائے نمایاں سرانجام دیے، یہ سب دنیاوی علوم ہیں۔ لیکن اسلامی معاشرے میں ان کے بارے میں کوئی تعصب روانہیں رکھا گیا اور ان کے حصول میں پوری گرم جوشی کا مظاہرہ کیا گیا۔ اگر ہم مسلمانوں کی علمی تاریخ کا جائزہ لیں تو چند نتائج سامنے آتے ہیں۔

مسلمانوں میں دینی اور دنیاوی علوم کی تفریق موجود نہیں تھی مسلمان علم حاصل کرنے کا ذوق رکھتے تھے اور ہر طرح کے علم کے حصول کو اپنی دینی ذمہ داری سمجھتے تھے۔

مسلمانوں نے علم کے معاملے میں کسی تعصب کو روانہیں رکھا۔ انہیں جو علم جہاں سے ملا، انہوں نے اسے اپنی گمشدہ میراث سمجھ کر قبول کیا۔ مذکورہ بالا واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ ایک طرف روم اور دوسری طرف ہندوستان تک کا سفر کیا گیا تا کہ علم تک رسائی حاصل کی جا سکے۔ اسلامی معاشرے کا عمومی رویہ علم دوستی کا رہا، دنیا کی بہترین درسگاہیں اسلامی ممالک میں تھیں اور بہترین شفا خانے بھی مسلمان ملکوں میں تھے۔

حالات حاضرہ ایک موازنہ:

مسلمان معاشروں کے موجودہ حالات پر ایک نگاہ ڈالی جائے تو یہ افسوس ناک صورت حال سامنے آتی ہے کہ مادی یا دنیاوی علوم میں مسلمانوں کی حالت تشویشناک حد تک خراب ہے۔ پاکستان میں جس کی آبادی 162419.950 کروڑ ہے وہاں کل 1004 ہسپتال اور 4813 ڈسپینسریاں ہیں۔

جہاں کل 87102 بستر ہیں۔

تعلیم کا حال درجہ ذیل اعداد اور شمار سے واضح ہو جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یونیورسٹیاں کل 128 جبکہ پیشہ ورانہ تعلیم اور سائنس اینڈ آرٹ کالج کی تعداد آبادی کے تناسب سے انتہائی قلیل بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

اسی طرح زراعت کا مسئلہ ہے۔ پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک شمار ہوتا ہے۔ 93-1992 کی مردم شماری کے مطابق 103,000 افراد زراعت سے وابستہ ہیں جن میں ایک تہائی تعداد عورتوں کی ہے۔ 1998 میں لائیوسٹاک کی پوزیشن یہ تھی کہ ہمارے پاس 240,000 بھیڑیں 213,000 مویشی 854,000 بکریاں اور 3 ملین مرغیاں تھیں۔ چودہ کروڑ آبادی کا ملک جو زرعی تشخص رکھتا ہے اس میں یہ تعداد بہت کم ہے۔ اس طرح یہ بات بھی تشویش ناک ہے۔ کہ محض ایک لاکھ افراد زراعت سے وابستہ ہیں۔ یہ تعداد پچھلے بیس سالوں میں تیزی سے کم ہوئی ہے۔ جس کا بڑا سبب شہر کی طرف نقل مکانی ہے۔ کیونکہ زراعت اب منافع بخش کام نہیں رہا۔ اس کی بڑی وجہ بھی تعلیم کا نہ ہونا ہے۔ ہمارے ہاں آج تک زراعت میں ترقی کے لیے جدید طریقے استعمال نہیں کیے گئے۔ آج اگر ہمارے پاس جدید ترین زرعی ٹیکنالوجی اور تعلیم ہوتی تو زرعی پیداوار میں کئی گنا اضافہ کیا جا سکتا تھا۔ اس سے جہاں ایک فرد کی انفرادی آمدن میں اضافہ ہوتا وہاں مجموعی قومی پیداوار GDP بھی بہتر ہو جاتی۔ اس طرح صاف پانی کی سہولت صرف 60 فی صد سے کم آبادی کو حاصل ہیں جبکہ صحت اور صفائی کی سہولتیں صرف 10 فی صد آبادی کو میسر ہیں۔

یہ محض پاکستان کے چند شہروں کا تذکرہ ہے اس طرح ہم اگر بحیثیت مجموعی مسلم ممالک کی بات کریں تو ایک ناگفتہ بہ صورتحال سامنے آتی ہے۔ اس سلسلے میں امریکی دانشور کینتھ ڈیوڈ کی تصنیف کلچرانوارسمنٹ آف انٹرنیشنل بزنس میں جو تفصیلات دنیا کے مختلف مذہبی معاشروں کی علمی اور اقتصادی حالات پر پیش کی گئی ہیں۔ وہ نہایت اہم مگر مسلمانوں کے لیے بڑی حد تک عبرت انگیز اور سبق آموز بھی ہیں۔ اس سروے میں عیسائی، بدھ، ہندو، یہودی، کیمونسٹ، قبائلی مذاہب اور اسلامی دنیا کی معاشی اور تعلیمی ترقی اور پستی کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ عیسائی سماج جہاں معاشی اور علمی اعتبار سے بلند تر مقام رکھتا ہے۔ وہی مسلم سماج تعلیمی و معاشی سطح پر انحطاط کا شکار ہے۔ عیسائی سماج کی اس بلندی نے اس کو اسلامی دنیا پر مکمل غلبہ حاصل کرنے میں کامیابی دلائی ہے۔ سروے کے مطابق کینتھ بتلاتا ہے کہ عیسائی سوسائٹی خواندگی کے لحاظ سے دنیا میں اول درجہ رکھتی ہے۔ وہاں خواندگی 90 فیصد سے زیادہ ہے اور تقریباً 15 ممالک تو ایسے ہیں جہاں خواندگی سو فیصد ہے۔ مسلم دنیا میں خواندگی کا اوسط پچاس فیصد ہے اور ایک بھی ملک ایسا نہیں جہاں خواندگی سو فیصد ہو۔ خواندہ آبادی میں ایسے افراد جنہوں نے سکول یا کالج کی تعلیم حاصل نہیں کی عیسائی دنیا میں دو فیصد ہیں جبکہ مسلم دنیا میں پچاس فیصد خواندہ لوگوں نے سکول تک کا رخ نہیں کیا۔ عیسائی دنیا میں خواندگی کے معنی کم از کم پرائمری سطح کی تعلیم کا حصول ہے جبکہ اسلامی ممالک میں ہر وہ شخص جو لکھنا پڑھنا جانتا ہے خواندہ کہلاتا ہے۔ چنانچہ اگر خواندگی کے عیسائی معیار کو ملحوظ رکھا جائے۔ تو پتہ چلے گا کہ درحقیقت عیسائی سماج میں خواندگی نوے فیصد ہے اور مسلم معاشرے میں بمشکل دس فیصد۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلیم اور علم کا رشتہ معاشی ترقی سے براہ راست جڑا ہوتا ہے۔ لہٰذا معاشی اعتبار سے مسلم دنیا میں غربت و افلاس کی حالت نہایت افسوسناک ہے۔ کیلنتھ کے سروے کے مطابق 130 کروڑ مسلم آبادی کے نصف حصہ میں (جو بہت غریب ممالک کہلاتے ہیں) فی فرد اوسط آمدنی تقریباً 200 ڈالر سالانہ ہے جبکہ نسبتاً امیر مسلم ممالک میں یہ اوسط آمدنی تقریباً ایک ہزار ڈالر ہے اس کے مقابلہ میں عیسائی دنیا (کل 230 کروڑ) کی ادھے سے زیداہ آبادی (یورپ سمیت) کی اوسط اامدنی سات ہزار ڈالر سالانہ ہے اور باقی کی تین ہزار ڈالر سالانہ۔ 1980 کے بعد معاشی ترقی ساری دنیا میں تیزی سے بڑھی ہے۔ چنانچہ 1996 کی اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق اب یورپ میں فی کس اوسط آمدنی 25 ہزار ڈالر سالانہ فی کس ہوئی ہے اور امیر مسلم ممالک میں ایک ہزار سے دو ہزار ڈالر فی کس سالانہ ہوئی ہے۔ مسلم دنیا میں اگر پٹرول پیدا کرنے والے پانچ مسلم ممالک نہ ہوتے تو نہ جانے مسلم دنیا کا مالی اعتبار سے کیا حال ہوتا۔ واضح رہے کہ ایک سروے (Oil and Gas. 1998) کے مطابق دنیا میں تیل پیدا کرنے والے کل 18 اہم ممالک ہیں جس میں دس اسلامی مملکتیں ہیں باقی آٹھ غیر اسلامی (چین روس سمیت)۔ اسلامی ممالک 250 بلین بیرل تیل سالانہ پیدا کرتے ہیں یہ کل پیداوار کا تقریباً چالیس فیصد ہے۔ قدرت کے اس عظیم عطیہ اور نعمت کے باوجود مسلم دنیا معاشی اعتبار سے عیسائی دنیا کے مقابل کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اعداد و شمار سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تیل پیدا کرنے والے مسلم ممالک 1980 کے بعد اپنی آمدنی بڑھانے میں کامیاب نہ ہو سکے، جس کی اصل وجہ باہمی جنگیں اور رقابتیں تھی، برخلاف اس کے یورپی ملکوں کی فی کس آمدنی بہت تیزی سے بڑھی۔ مثال کے طور پر سعودی عرب کی فی کس آمدنی 1980 میں 7690 ڈالر سالانہ تھی جو 1996 میں 650 ڈالر فی کس سالانہ کم ہو گئی۔ ایران، عراق اور لیبیا کی آمدنی ان بارہ سالوں میں کم ہوئی جبکہ جرمنی کی آمدنی 9580 ڈالر 1980 سے بڑھ کر 1996 میں 28870 ڈالر فی کس سالانہ ہو گئی۔ اسی طرح برطانیہ فرانس اور آسٹریلیا وغیرہ کی معاشی حالت تین گنا بہتر ہو گئی۔ تیل پیدا کرنے والے مسلم ممالک کو کسی اقبال کی ضرورت ہے جو ان کو بتا سکے کہ ”نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے“ اور اب شاید مولانا ابوالکلام آزاد جیسے دانشور کی ضرورت ہے جو چیخ چیخ کر بتلائے، کہ ”غفلت اور سرشاری کی بہت سے راتیں بسر ہو چکی ہیں اب خدا کے لیے بہتر مدہوشی سے سر اُٹھا کر دیکھئے کہ آفتاب کہاں تک پہنچ چکا ہے۔ آپ کے ہمسفر کہاں تک پہنچ گئے ہیں اور آپ کہاں پڑے ہوئے ہیں۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد مسلم اور عیسائی ملکوں کے درمیان کوئی بھی قابل ذکر جنگی معرکہ نہیں ہوا۔ البتہ خود مسلم ملکوں کے بیچ خون ریز جنگیں ضرور ہوئی ہیں جن میں تقریباً پندرہ لاکھ مسلمان مارے گئے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا کہ مسلم ممالک جو جنگی ساز و سامان خریدتے ہیں وہ زیادہ تر آپس ہی میں مسلم ممالک کے خلاف استعمال ہوتا ہے نہ کہ غیر مسلم ملک سے معرکہ آرائی لئے۔

مسلم ممالک کی جنگی تیاریوں میں ہر ملک اپنی قومی آمدنی کا دس سے تیس فیصد تک خرچ کرتا ہے۔ یہ دولت عیسائی ملکوں کو ہتھیاروں خریداری کے ذریعے منتقل ہو جاتی ہے۔ جبکہ عیسائی ممالک اپنی قومی آمدنی کا تین سے گیارہ فیصد حصہ فوج پر خرچ کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔اور ہتھیاروں کی خرید وفروخت آپس ہی میں کرتے ہیں۔اس دولت کا کوئی قابل ذکر حصہ مسلم دنیا میں نہیں آتا۔

کینتھ نے مسلم معاشروں کی بدحالی کی متعدد وجوہات بیان کی ہیں۔اس کا کہنا ہے کہ خواندگی کے سلسلہ میں مسلم دنیا میں عورتوں کی تعلیم پر کئی سالوں سے توجہ نہیں دی گئی۔چنانچہ عام طور پر مسلم معاشروں میں مردوں اور عورتوں پر خواندگی کا فرق دس سے چالیس فیصد تک ہے۔جبکہ عیسائی معاشرہ میں یہ فرق صرف دو سے پانچ فی صد کے درمیان ہے۔پسماندگی کی ایک وجہ مسلم ممالک میں زراعت میں زیادہ تر آبادی کا مشغول ہونا اور صنعت کی طرف توجہ کم کرنا ہے۔سروے کے مطابق مسلم معاشرہ میں پچاس سے ستر فیصد تک آبادی کھیتی باڑی میں اپنی زندگی گزار دیتی ہے۔اور صنعت وحرفت سے تقریباً 7 سے 16 فیصد لوگ منسلک ہیں۔عیسائی معاشرہ میں صورت حال بالکل مختلف ہے۔یعنی کل چھ فیصد لوگ کھیتی باڑی میں مصروف رہتے ہیں جبکہ تقریباً 60 فیصد لوگ صنعتوں میں کام کرتے ہیں۔

معلومات عامہ میں اسلامی دنیا عیسائی دنیا سے بہت پیچھے ہے۔مصر جیسے نسبتاً زیادہ تعلیم یافتہ مسلم ملک میں ایک ہزار آبادی کے لئے اخبارات کی 21 کاپیاں چھپتی ہیں۔جبکہ مغربی ممالک میں اوسطاً تین سو کاپیاں ایک ہزار افراد کے لئے شائع ہوتی ہیں۔عمروں کا اوسط عیسائی دنیا میں 75 سال جبکہ مسلم دنیا میں 60 سال سے کم۔اقوام متحدہ کی ترقیاتی کونسل نے 1990 میں انسانی ترقیاتی انڈکس کے نام سے ایک سروے شروع کیا تھا جس کی بنیاد مختلف ممالک کے عوام میں تعلیم ،صحت اور معاشی حالت کا جائزہ تھا۔کل 174 ممالک میں یہ سروے کیا گیا۔1990 میں دے گئے اعداد وشمار کے مطابق مسلم ممالک کی تعلیم ،صحت اور معاشی ترقی کی بہت افسوس ناک تصویر پیش کرتے ہیں۔اس انڈکس کے مطابق سب سے زیادہ ترقیافتہ ممالک میں کینڈا سرفہرست ہے۔دوسرے نمبر پر ناروے اور امریکہ کی تیسری نمبر پر ہے۔غرضیکہ شروع کے 24 ترقی یافتہ ممالک میں ایک بھی مسلم ملک شامل نہیں ہے۔پچیسواں نمبر برونائی کا ہے جو نہایت کم آبادی (20 لاکھ) والا ملک ہے۔پینتسواں نمبر کویت کا 37 ویں نمبر بحرین کا 41 ویں متحدہ عرب امارات کا ہے۔ان متو کرہ ممالک کی کل آبادی دو کروڑ سے کم ہے۔جبکہ وہ سارے عیسائی ممالک جو ترقی کے اعتبار سے ان سے کہیں بہتر درجہ (انڈکس) رکھتے ہیں،ان کی آبادی 60 کروڑ سے تجاوز کرتی ہے۔زیادہ آبادی والے مسلم ممالک میں سرفہرست ملائیشیا ہے۔دیگر ممالک کا حال اس طرح ہے۔(سعودی عرب 78 لاکھ ترکی 86 لاکھ ایران 95 لاکھ انڈونیشیا ایک کروڑ پانچ لاکھ،الجیریا ایک کروڑ نو لاکھ مصر ایک کروڑ بیس لاکھ عراق ایک کروڑ پچیس لاکھ پاکستان تیرہ کروڑ اسی لاکھ سوڈان ایک کروڑ بیالس لاکھ بنگلہ دیش ایک کروڑ پچاس لاکھ)اس انڈکس کے اعتبار سے مسلمانوں کی تین چھوتائی آبادی تعلیم ،صحت اور معاش کے اعتبار سے انتہائی پست ہیں۔جبکہ عیسائی آبادی کا نوے فی صد حصہ خوشحال نظر آتا ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ مسلم دنیا میں ترقی کے اعتبار سے بلند ترین مقام رکھنے والے وہ چھ مسلم ممالک ہیں جو روس کی گرفت سے نکل کر آزاد مملکتوں کا درجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ان ملکوں میں خواندگی 97 فی صد ہے۔عورت اور مرد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی خواندگی میں فرق کم سے کم ہے۔ اعلیٰ تعلیم اور سائنس سرگرمیوں میں ان کا رول قابل تعریف ہے اور معیشت کے اعتبار سے بھی باعزت مقام رکھتے ہیں۔ سائنس وتحقیق میں مسلم دنیا عیسائی ممالک سے بہت پیچھے ہے۔ سائنس کے تحقیقی موضوعات پر ہر سال دنیا میں دولاکھ ساٹھ ہزار مضامین شائع ہوتے ہیں۔ اس میں تقریباً دولاکھ عیسائی ممالک شائع کرتے ہیں، اور مسلم ممالک صرف ڈھائی ہزار۔ مسلم دنیا اور مغربی اقوام یعنی عیسائی قوموں کے بارے میں دیے گئے مندرجہ بالا اعدادوشمار کے پیش نظر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، ناظم ندوۃ العلماء کا یہ قول کتنا واضح ہے۔ کہ ''یورپ نے علم ومحنت سے کام لیا تو باوجود کفرومذہب دشمنی کے دنیا کا قائد بن گیا۔ ہم سے علم وحکمت سے لاپرواہی ہوئی تو باوجود حق پر ہونے کے اور اوباوجود موجودہ ترقی کے اولین رہبر ہونے کے ذلیل وخوار ہوئے''۔

کینتھ ڈیوڈ نے خیال ظاہر کیا ہے کہ پچھلی صدی کی حیرت انگیز صنعتی اور علمی ترقی میں رکاوٹیں تقریباً ہر مذہب کے لوگوں نے ڈالی ہیں۔ بدھ مت کے لوگوں نے بدلتے نظام کی شدید مخالفت کی عیسائیوں کے درمیان کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے جھگڑوں نے ترقیاتی سکیموں کو نقصان پہنچایا۔ ہندوؤں میں ذات پات کی بناء پر علمی اور صنعتی ترقی زور نہ پکڑسکی۔ مسلمانوں کی باہمی نااتفاقیاں، مسلکوں کی بنیاد پر تنازعے اور اکثر علماء کی دخل اندازیوں نے بھی دنیاوی ترقی میں رکاوٹ کا کام کیا۔ اور ہر نئی تبدیلی کو مذاہب مخالف مہم سے تعبیر کیا گیا۔ کینتھ ڈیوڈ اس ضمن میں لکھتا ہے۔ اسلامی معاشرہ کو ترقی دینا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کے دینی رہنما اس دنیا کے بدلتے ہوئے نظام سے سے سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار نہ ہوں کینتھ ڈیوڈ لکھتا ہے کہ افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمان اپنی حالت زار کو اللہ کی مرضی سے تعبیر کرے ہیں جو یقیناً غیر اسلامی ہے۔

مسلمانوں کے غیر علمی رویہ پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے حضرت مولانا ابوالحسن الندوی نے میں 1984 میں تحریر فرمایا تھا کہ مسلمان اپنی علمی روشنی بھول گیا اور مقلدانہ اور روایتی ذہنیت کا شکار ہوگیا اور اس طرح سائنس اور ٹیکنالوجی میں پیچھے رہ گیا اور مغرب نے اسے غلام بنادیا۔ اس علمی پستی پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں: کہ جدید علوم سے بے خبر علماء اسلام کی سچی خدمت انجام نہیں دے سکتے ہیں۔ آج ہم ایک تماشائی بن کر زندہ نہیں رہ سکتے ہیں کینتھ ڈیوڈ نے 1969 کی ایک اسلامی کانفرنس کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کانفرنس میں ملائشیا کے وزیر اعظم عبدالرحمان نے جو مشورہ دیا تھا اس پر ابھی تک مسلم معاشرہ عمل پیرا نہیں ہوا ہے۔ عبدالرحمان نے کہا تھا کہ لازم ہے کہ آج کی دنیا میں مسلمان غیر عقلی عقائد کو خیر باد کہہ کے نئے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے اسلامی طریقہ اپنائیں اس مضمون سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ مسلمان ممالک بحیثیت مجموعی آج ساری علوم میں کہاں کھڑے ہیں۔ ان سب میں زیادہ تر اپنی معاشرتی اور سماجی ضروریات پوری کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اگر ہم تجارت، درآمدات غیر ملکی قرضوں کی تفصیلات میں جائیں تو مسلمان ممالک بشمول پاکستان کا شمار پسماندہ ممالک میں ہوتا ہے۔ یہ پسماندہ صرف اس وجہ سے ہیں کہ مسلمانوں کی معیشت جو یہ بوجھ پڑا، اس کا اندازہ کرنا میدان مشکل نہیں ہے۔ آج پاکستان جیسا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملک پیپر پن تک درآمد شدہ استعمال کرتا ہے۔اور اس پر کروڑوں روپے کا زرمبادلہ خرچ کرتا ہے۔اگر ہم مادی علوم کے حصول میں دلچسپی لیتے تو اس قابل ہو سکتے تھے کہ عمومی استعمال کی چھوٹی اشیاء اپنے ملک میں بنا کر اس زرمبادلہ کو بچا لیتے اور اس کسی بہتر اور تعمیری مقصد کے لیے صرف کرتے۔

درحقیقت آخرت کی تعمیر دنیا کی تعمیر کے بغیر ممکن نہیں۔وہ امور جو انسان کو احکام الٰہی کی خلاف ورزی پر آمادہ کرتے ہیں۔وہ اکثر دنیاوی محرومیوں پر مشتمل ہیں۔لوگ غربت کے ہاتھوں چوری پر مجبور ہوتے ہیں۔سماجی دباؤ کے باعث جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔اگر معاشرہ خوشحال ہوا،،اس میں لوگوں کی محرومیاں کم ہوں گی تو اس معاشرے میں جرائم کی شرح بھی کم ہو جائے گی۔دوسرے لفظوں میں اگر ہم دنیا کی تعمیر میں کامیاب ہوں گے۔تو اس کے نتیجے میں اللہ سے اپنے تعلق کو بہتر طور پر قائم کرسکیں گے۔

دنیا کی یہ تعمیر اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہم ان علوم میں مہارت حاصل نہیں کریں گے جن سے کائنات کے سربستہ راز ہم پر کھلیں اور ہم زندگی کو آسان بنا سکیں۔زراعت میں ترقی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہم جدید زرعی ٹیکنالوجی اور شعبے میں ہونے والی تحقیق سے واقف نہیں،ذرائع نقل وحمل بہتر نہیں ہو سکتے اگر ہمارے پاس بہتر سڑکیں تعمیر کرنے کا علم نہیں،اس بات کو جتنا پھیلاتے جائیں گے۔ہم اسی نتیجے تک پہنچیں گے۔کہ دنیاوی علوم میں مہارت سے ہی دنیا کی تعمیر کی جاسکتی ہے جو دراصل تعمیر آخرت کا دروازہ کھولنے والی ہے۔

اس مقصد کے لئے ہمیں معاشرتی فضا کو دنیاوی علوم کے حصول کے لیے سازگار بنانا ہوگا۔اس تصور کی علمی اور عقلی سطح پر نفی کرنا ہوگی کہ دنیاوی علوم دین کے لیے خطرہ ہے یا اس سے تعلق باللہ کو نقصان پہنچتا ہے۔ہمیں اس تاثر کو عام کرنا ہوگا کہ اسلام دین اور دنیا کی تقسیم کا روادار نہیں اور یہ کہ دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے ترقی یافتہ معاشرہ ہی صحیح اسلامی معاشرہ ہو سکتا ہے۔تعلیمی اعتبار سے ایک معاشرہ اسی وقت ترقی یافتہ شمار ہوگا جب پرائمری تعلیم پر سب سے زیادہ توجہ دی جائے گی۔اگر ہم بنیادی تعلیم کو اہمیت دیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے معاشرے کو تعلیمی اساس رکھ دی ہے۔یہی ہمارے بچے ہیں جنہیں کل ڈاکٹر، انجینئر،شاعر اور سائنسدان بننا ہے۔گویا اگر ہمیں ماہرین کی ضرورت ہے تو اس کے لیے بھی ہماری پہلی ترجیح بنیادی تعلیم ہونی چاہیے۔ہمارے ہاں ہر تعلیم کی جو نوعیت ہے وہ ہم سب پر واضح ہے۔

پاکستان میں بچوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جس نے کبھی سکول کی شکل نہیں دیکھی۔پھر بہت سے بچے ایسے ہیں جو ابتدائی جماعتوں سے سکول چھوڑ دیتے ہیں۔جب ہم اچھی تعلیمی بنیادیں فراہم نہیں کرسکتے تو اس کے بعد کوئی تعلیم عمارت کیسی کھڑی ہو سکتی ہے۔لہٰذا آج اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ مادی اعتبار سے ایک ترقی یافتہ قوم بنیں تو اس کے لیے ہمیں سب سے زیادہ توجہ بنیادی یعنی پرائمری تعلیم پر دینا ہوگی،اور تمام بچے بچیوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنا ہوگا۔

......☆☆☆☆☆......

© rasailojaraid.com